نظریۂ اہلیت و قابلیت اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

The Concept of Eligibility and Competence in the Light of Islamic Teachings

سجاد حسین*

ڈاکٹر محمد عزیز**

Abstract

Holy Prophet Muhammad (SAW) has practically guided the Muslims in all spheres of life including faith, jurisprudence, economics, politics and social circles. Muslims' ruled the world as long as they followed the Prophet and the Islamic teachings. As soon as they started ignoring the rules of Shari'ah, they fell into a political failure and economic deprivation. Leadership is such an important aspect in which lies the secret of national, political and social development. Leadership is given such importance in Islam that Prophet (SAW) has given special instructions about the eligibility to be the leader of Muslim society. According to Islamic Jurisprudence and the teachings of the Holy Prophet (SAW), leadership can only be given to the eligible and efficient figures. If authority and control is given to some ineligible or incapable people, it is not only unsuitable but a cruelty. Muslim Ummah in general and the public of Pakistan in particular had never so intensely desired for a noble leadership possessing high qualities as they need it today. Pakistani nation has reached the verge of chaos and destruction which is leading to fatal and horrible consequences. The ideology of standard and capability has clearly been interpreted in Qur'an and Sunnah. This is further supported by the practices of the Muslims in the past. This research has focused on gathering the data about ideology of standard and eligibility for the selection/election of individuals according to the Seerah of the Prophet (SAW).

Key Words: Standard , Eligibility, Leadership, Qualities, Sunnah, Political

---

* ریسرچ اسکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور۔

** لیکچرار، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج پشاور۔

رسول اکرم ﷺ نے طہارت و پاکیزگی سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں میں کامل رہنمائی فراہم کی ہے۔چاہے اس کا تعلق مذہبی معاملات سے ہو یا سیاسی و معاشرتی اُمور سے۔ امت مسلمہ نے جب تک نبوی اُصولوں پر عمل کیا تب تک زمام زمانہ اس کے ہاتھ میں رہی لیکن جب سے ان اصولوں کو ترک کیا محرومی و ناکامی کا سفر تیز تر ہوتا گیا۔ معیار اور اہلیت کو تعلیمات نبویہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، معاشرے کی تنظیم و ترقی مقصود ہو تو بہترین امیر اور باصلاحیت قائد چننا اَولین و لازم امر ہے۔ ملک و قوم کی قیادت کا مسئلہ وہ اہم امر ہے جس میں ملکی، سیاسی و معاشرتی ترقی کا راز پنہاں ہوتا ہے۔ تعلیمات نبویہ کے مطابق قیادت اُسی کو سونپی جائے گی جو اس کا اہل اور عمدہ صلاحیتوں کا حامل ہو۔ کیونکہ کسی بھی کام کی باگ ڈور نااہل کے سپرد کر دینا انتہائی نامناسب ہی نہیں بلکہ صراحتاً ظلم ہے۔ اُمت مسلمہ اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل قیادت کی جس قدر آج ضرورت محسوس کر رہی ہے اس سے پہلے شاید اس شدت کے ساتھ کبھی نہ کی۔ اور تباہی کے جس دہانے پر آکھڑی ہوئی ہے وہ انتہائی مہلک و بھیانک نتائج کا غماز ہے۔ ایسے میں یہ امر ازبس ضروری ہے کہ قیادت کے چناؤ میں اس معیار و اہلیت کو اختیار کیا جائے جس کی تعلیم نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کے خوبصورت دریچوں سے ملتی ہے۔

اس امر کی وضاحت و تفصیل میں قرآن حکیم اور سیرتِ رسول کریم ﷺ میں ان گنت شواہد موجود ہیں اور تاریخ میں اہلِ اسلام کے عملی شواہد بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں نبوی نظریہ اہلیت و معیار اور افراد کے چناؤ کے طریقہ کار پر دلائل و شواہد جمع کرنے کے بعد نتائج اخذ کیے گئے۔ جس سے قوی امید کی جاسکتی ہے کہ معاشرتی بہتری کے اسلامی و نبوی اُصولوں کی تطبیق کا عملی موقع ملے گا اور قارئین کے لئے مزید مطالعہ و تحقیق کی راہ بھی متعین ہو گی۔ اسلام نے قیادت و سیادت کے لئے انتہائی واضح اور سرمدی اُصول وضع کیے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم، سیرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ مختلف ائمہ اور ماہرین کی آراء کی روشنی میں اُن اُصولوں کا مطالعہ کریں گے۔

امانت اہل افراد کے سپرد کرنے کا حکم

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے ایک مثبت حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کی طرف لوٹاؤ"۔

اگرچہ یہاں حسی امانتیں بھی مراد ہیں لیکن معنوی امانتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حسی امانت میں نقصان عموماً کسی ایک فرد کا ہوتا ہے جبکہ معنوی امانتوں میں پورے پورے ادارے اور اقوام متاثر ہوتی ہیں اور تمام مفسرین اس معنیٰ پر متفق ہیں۔

معاشرتی زندگی کا دار و مدار باہمی تعاون پر ہے اِسی میں انسانیت کی مصلحت اور بہتری پنہاں ہے اسی بنیاد پر لوگ کام کاج کو ایک دوسرے میں بانٹ لیتے ہیں اور جو شخص جس کام کا متخصص اور ماہر ہو اُسے وہ کام سونپ دیا جاتا ہے اس معاملے کی اہمیت و نزاکت اُس حدیث طیبہ سے اُجاگر ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ[2]

"کہ جب تین لوگوں کا گروہ سفر پر نکلے تو ایک اُن کا قائد بن جائے۔"

یہ حکم تو محض چند روزہ عارضی سفر کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جب زندگی کے سفر کا معاملہ ہو اور پورے معاشرے کی تنظیم مقصود ہو تو بہترین امیر اور قائد چُننا بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔

امانت نااہل کے سپرد کرنے کی مذمت

چاہے چند روزہ عارضی سفر کا معاملہ ہو چاہے پورے ملک و قوم کی قیادت و سیادت کا مسئلہ ہو ہر دور میں قیادت اُسی کو سونپی جائے گی جو اس کا اہل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہو۔ کیونکہ کسی بھی کام کی باگ ڈور نااہل کے سپرد کر دینا انتہائی نامناسب ہی نہیں بلکہ صراحتاً ظلم بھی ہے۔ اس اَمر کی سنگینی کا اندازہ صحیح بخاری میں وارد اس حدیث طیبہ سے لگایا جاسکتا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے امانت نا اہل کے سپرد کرنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا:

اِذَا اُسْنِدَ الاَمْرُ اِلیٰ غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ[3]

"کہ جب معاملات کی باگ ڈور نا اہل لوگوں کے سپرد کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ "الامر" سے مراد تمام اُمور ہیں چاہے اُن کا تعلق دین و خلافت و اِمارت سے ہو اور چاہے قضا و اِفتاء سے۔[4] اورامام ابن بطالؒ نے "اَلاَمْرُ اِلیٰ غَیْرِ اَھْلِہٖ" کی وضاحت میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالی نے ائمہ کو لوگوں پر امین مقرر فرمایا ہے اور ان پر خلوص کو لازم قرار دیا ہے انہیں چاہیے کہ مناسب دیندار اشخاص کو عہدہ سونپیں لیکن جب وہ نا اہل اور بے دین لوگوں کو قیادت سونپ دیں تو اس امانت کو ضائع کردیں گے"۔[5]

ہماری رائے میں "الساعۃ" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نا اہل کو امانت سونپنے کے بعد اُس وقت کا انتظار کرو جب سارے کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اور ادارے ناکامی کی آخری حد تک پہنچ جائیں جو کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ معاشرہ اس وقت بگاڑ کا شکار ہوتا ہے جب انتخاب و چناؤ کا عمل مکمل غیر نبوی اور سنت نبوی کے برعکس طریقے پر رائج ہو اورافراد کے اختیار کے لئے نبوی معیار پر قیادت کے خواہشمند افراد کو جانچا پرکھا نہ جائے۔

معیار کے نبوی پیمانے کو لازم قرار دیتے ہوئے امام ماوردیؒ رقمطراز ہیں "بادشاہ وقت کو چاہیے کہ مملکت کا نظام چلانے کے لئے اہم کاموں کے لئے خاص شخصیات کا چناؤ کرے۔"[6]

سیدنا عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے معیار کی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی:

مَن ولی مِن اَمرِ المُسلمین شَیئًا فَوَلی رَجُلاً وَ ھُوَ یَجِدُ مَنْ ھُوَ اَصلَح المُسلمین مِنہ فَقَد خَانَ اللہَ وَرَسُولَہ[7]

"جو کوئی مسلمانوں کے کسی معاملے کا نگران بنا اور کسی زیادہ مناسب شخص کے ہوتے ہوئے بھی اُس نے کسی (نا اہل) کو معاملات سپرد کر دیئے تو یقیناً اُس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی"۔

جبکہ ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَنْ وَلِی مِنْ اَمرِ المُسلِمِینَ شَیئاً فَوَلَّی رَجُلاً لِمَوَدَّتِہ او قَرَابَۃ بَیْنَہُمَا فقد خَانَ اللہ و رسُولَہ و المُسلمینَ[8]

"جو کوئی مسلمانوں کے کسی معاملے کا نگران مقرر ہوا اور اپنی باہمی مودت یا قرابت داری کی وجہ سے اُس نے کسی شخص کو عہدہ سونپ دیا تو یقیناً اس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے خیانت کی"۔

بلکہ اس کو ایک اور روایت میں بھی قیامت کی نشانی قرار دیتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا:

اِنَّ مِن اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یُوْضَعَ الاَخْیَارُ وَ یُرْفَعَ الاَشْرَارُ[9]

"کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اچھے (عمدہ) لوگوں کو کم مرتبہ کر دیا جائے گا اور برے (شریر) لوگوں کو اعلیٰ مرتبے پر فائز کر دیا جائے گا"۔

اسی لئے جو شخص صاحبِ اختیار ہو اور اس کی چناؤ کی ڈیوٹی ہو اُس پر لازم ہے کہ خوب چھان بین کے ساتھ اہل اور مستحق افراد کا چناؤ کرے امام ماوردیؒ نے نصیحۃ الملوک میں قیادت اور امیری کے معاملہ کی نزاکت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّکُمْ سَتَحْرُصُوْنَ عَلَی اْلاِمَارَۃِ وَ سَتَکُوْنُ نَدَامَۃً یَوْمَ الْقَیَامَۃِ[10]

"کہ تم اس امارت کے لالچ میں پڑے ہو جو عنقریب بروز قیامت ندامت و شرمندگی کا باعث ہو گی"۔

تو یقیناً جس طرح نا اہل ہوتے ہوئے قیادت و امارت پر براجمان ہو جانا باعث ندامت و شر مندگی ہو گا۔ اسی طرح ناجائز طور پر عہدہ و اختیار دینے والے سے بھی شدید ترین باز پرس ہو گی اور اُسے بھی دُگنی چگنی حسرت و ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سنت نبوی کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذمہ دار شخص کو اپنے معاونین اور ماتحت افراد کے چناؤ میں حد درجہ کوشش اور احتیاط کرنی چاہیے۔ معیار انتخاب کو ملحوظ خاطر رکھے، اقربا پروری اور دوست نوازی کی بنیاد پر نا اہل اشخاص کا چناؤ نہ کرے۔

نبوی نقطہ نظر کے مطابق کسی بھی اہم عہدہ پر تقرری سے قبل اچھی طرح امتحان لینا اور صلاحیتوں کا اندازہ لگانا حکمران کا فرض ہے جس کی عمدہ ترین مثال سنت نبوی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے جب آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا گورنر اور جج مقرر فرمایا تو پوچھا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے ؟ تو جواباً حضرت معاذ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم کے مطابق۔ پھر پوچھا کہ اگر کتاب الٰہی سے مسئلہ نہ حل کر سکے تو؟ عرض کی: رسول اللہ ﷺ کی سنت سے حل کروں گا۔ تو آپ نے تیسری دفعہ پوچھا کہ اگر سنت رسول میں بھی مسئلے کا حل نہ پایا تو کیا کرو گے ؟ عرض کیا: اپنی کوشش اور رائے سے مسئلے کا حل نکالوں گا۔ جس پر رسول اکرم ﷺ نہایت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے حضرت معاذ کو اتنی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ گویا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ کو مکمل طور پر جانچ پرکھ کر روانہ کیا۔[11]

امام ماوردی سلیکشن میں معیار کو بنیاد بناتے ہوئے حاکم وقت کو نصیحت کرتے ہیں:

"کسی کو مقدم نہ کرے نہ ہی کم مرتبہ کو بلند مرتبہ دے اور جان بوجھ کر کسی کو پیچھے نہ چھوڑے اور کسی کو کم تر نہ کرے ہاں کسی سابقہ تجربہ کی بنیاد پر ایسا کیا جاسکتا ہے"۔[12]

یعنی اگر سلیکشن کرنے والا کسی سابقہ تجربہ کی بنیاد پر اس شخص کو کوئی عہدہ دیتا ہے جس پر وہ شخص کامیابی کے ساتھ پہلے سے فرائض سر انجام دے چکا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس

کی ہمارے ہاں ایک کنٹریکٹ ملازم کو دائمی ملازمت کے لئے چننا یا کسی روزانہ کی بنیاد پر کام کرنے والے ملازم کو مستقل ملازمت کا عہدہ دینا کیونکہ وہ اسی ادارہ کا پہلے سے ملازم ہوتا ہے لہذا اگر وہ ایک کامیاب اور ماہر و تجربہ کار انسان ہے تو اسے مستقل کام کے لئے چننے میں کوئی حرج و مذائقہ نہیں۔ کیونکہ بعض لوگوں کو بعض دوسروں پر ترجیح اور فوقیت حاصل ہے اور ٹیسٹ یا امتحان اور انٹرویو یا زبانی امتحان کا مقصد بھی ہر شخص کی اہلیت کو الگ طور پر جاننا ہوتا ہے جو سیرت نبوی کے تناظر میں بہر طور لازم ہے۔لہذا امام ماوردیؒ فرماتے ہیں:

فَلیَجْتَهد المَلِكُ فِیْ اختیارِ هٰذه الطَبَقَاتِ مِنْ اهلِ الكفایةِ و الاسْتِقْلَالِ و الشهَامَةِ و الاَمَانةِ و العِفةِ و الدِیانةِ و العَقْلِ و الاِصَالةِ[13]

"کہ بادشاہ کو چاہیے کہ ان طبقات کے اختیار کے لئے خوب محنت سے جانچ پرکھ لے،اور اہل کفایت، استقلال، رعب، امانت، عفت، دیانت، عقل اور اصالت جیسی صفات کے حامل افراد کا چناؤ کرے۔"

رسول اکرم ﷺ نے معاشرے میں ایسی افرادی قوت تیار کر کے دی جس پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سائنسدان اور موجد عطا کر گئے کیونکہ اُن کے دل خلوص سے معمور، سینے نور ایمان سے بھرپور تھے جو حقیقی کامیابی اور ترقی کی ضمانت ہے۔اور آپ ﷺ نے افراد سازی پر بھرپور توجہ دی۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں "یہ فرد جب تیار ہو گیا تو یہ زندگی کے ہر محاذ پر کار آمد، مستعد اور قیمتی ثابت ہُوا اور جو خدمت اس کے سپرد کی گئی اس نے اپنی اہلیت اور صلاحیت اور فرض شناسی اور احساس ذمہ داری اور اپنے ذوق عمل اور جذبہ خدمت کا ثبوت دیا۔"[14]

علامہ ندوی کی رائے سے واضح ہو رہا ہے کہ ریاست مدینہ کے معاونین اور عاملین ہمہ جہت شخصیات تھے۔کام اور محنت کے دھنی اور جذبہ صادق سے سرشار تھے کام چوری اور خیانت و بددیانتی تو ان کو چھو تک نہ سکیں یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چار دانگ عالم میں اپنی کامرانی کا سکہ

منوایااور بر سر زوال وانحطاط قوموں کو زندگی عطا کر دی۔

رسول اکرم ﷺ نے انفرادی کاموں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی کاموں کے لئے بھی افراد سازی پر توجہ دی اور عملی اور اخلاقی تربیت کا فریضہ سر انجام دیا۔ آپ ﷺ نے مثالی افرادی قوت تیار فرما کر پختہ بنیادوں پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ مکہ کے گمنام گوشے "دار ارقم" میں در اصل مثالی افرد سازی کا کام ہی سر انجام پاتا تھا اسی گمنام گوشے میں انسان کو اسفل السافلین سے کمال انسانیت کی طرف لے جانے کا کام ہوا۔

سید ابو الحسن علی ندوی مسلمانوں کے دور قیادت میں مسلمانوں کی خصوصیات کی بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں "وہ حکومت اور قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل اخلاقی تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئے تھے"۔[15]

لہذاجہاں بانی اور ادارتی امور کے باقی اُصولوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت کے مراحل طے کرنا بھی ایک قائد کے لئے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایاہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[16]

"بلاشبہ آپ ﷺ اخلاق کے اعلی ترین مرتبے پر فائز ہیں"۔

جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ایک قائد اور امیر کو کس اخلاقی معیار میں ہوناچاہیے۔

خاص لوگوں کا چناؤ اور اس کے اثرات و ثمرات

رسول اکرم ﷺ سے یہ روایت ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اَقْضَاكُمْ عَلِیّ"[17] کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ تم سب میں سے زیادہ فیصلہ کن رائے کے مالک اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔

توہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا علی نے کئی اہم فیصلے کیے اور عدالتی امور کو پوری جانفشانی سے سرانجام دیا جن کی مثال دوسرے صحابہ کرام میں کم ملتی ہے ۔ اس فرمان کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں

اِنَّ اَقْضَا اَھْلِ الْمَدَیْنَۃِ عَلِیّ

"کہ اہل مدینہ میں سے سب سے زیادہ ماہر قضاسیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے"۔[18]

یوں لگتاہے کہ اسوہ رسول کی اس قدر اثر انگیزی تھی کہ تمام صحابہ کرام کی نظر ماہر اور ثقہ شخصیات پر لگی رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ جب بھی بات کرتے ہیں تو صاحب فن کی بات کرتے ہیں۔ تعلیمات نبویہ میں قیادت کے انتخاب کا اصول بھی دوسری حکومتوں سے بہت مختلف ہے یہاں اصل چیز اہلیت ، امانت ، دیانت ، تقویٰ اور حسن سلوک ہے ۔سید ابو الاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں "یعنی تم ان برائیوں سے بچے رہنا جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل کی بنیادی غلطیوں میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انحطاط کے زمانہ میں امانتیں یعنی ذمہ داری کے منصب اور مذہبی پیشوائی اور قومی سرداری کے رتبے ایسے لوگوں کو دینے شروع کر دیئے جو نااہل، کم ظرف، بداخلاق، بددیانت اور بدکار تھے نتیجہ یہ ہوا کہ برے لوگوں کی قیادت میں پوری قوم خراب ہوتی چلی گئی"۔[19]

جنگ احزاب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاسوسی کے لئے متعین فرمایا جس کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے اس موقع پر بھی آپ ﷺ کا چناؤ انتہائی تیر بہ ہدف ثابت ہوا چنانچہ یہاں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب فرمایا گیا تھا تو وہ اسی وجہ سے تھا کیونکہ جناب رسول ﷺ آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے کہ اس تاریک اور سرد رات میں جس میں مسلمان ہر طرف سے مصائب و مشکلات میں گھرے ہوئے تھے کوئی ایسا ہی شخص کام آسکتا تھا جو نہ صرف فدائی صفات رکھتا ہو بلکہ وہ راسخ الایمان، ذہین اور چوکنا بھی ہو، جنگی

معاملات میں بھی پوری طور پر باخبر ہو زبردست قوت ارادی کا مالک ہو اور اچانک آ پڑنے والے معاملات کو سنبھالنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ قابل اعتماد بھی ہو۔[20]

خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت بصیرت کا اندازہ ہم آپ کے اس ارشاد سے لگا سکتے ہیں جس میں مختلف اصحاب رسول اکرم ﷺ کی تخصیص اُن کی مہارت فن کے پیش نظر فرما رہے ہیں۔ بمقام جابیہ[21] آپ نے بے شمار لوگوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں موجود یہ الفاظ اصحابِ رسول اکرم ﷺ کے ہاں معیار و اہلیت کو بخوبی واضح کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْفِقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللهَ جَعَلَنِي لَهُ وَالِيًا وَقَاسِمًا[22]

"اے لوگو! جو کوئی قرآن سیکھنا چاہتا ہے وہ حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو کوئی علم وراثت پڑھنا چاہتا ہے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو شخص علم فقہ سیکھنا چاہتا ہو وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جو کوئی مالی امور سے آگہی حاصل کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نگران اور مال تقسیم کرنے والا بنایا ہے"۔

یہاں یہ بات بھی انتہائی قابل غور ہے کہ شاید دنیا نے بہت عرصہ بعد میں کروٹ لی اور الگ الگ ادارے قائم کرنے کا سوچا ہو ہر مضمون کا الگ سے شعبہ دیر سے قائم ہوا ہو لیکن درسگاہ نبوت میں زانوئے تلمذ طے کرنے والے اس زمانے میں بھی شعبہ ہائے علوم میں مہارت و دسترس رکھتے تھے جب دنیا والوں کو شعبہ جات تو درکنار علم کی ابجد سے بھی آگہی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نا اہل لوگوں کو منع فرماتے کئی صحابہ کرام کے ساتھ ایسا ہوا حالانکہ وہ لوگ آج کے لوگوں سے کہیں زیادہ باصلاحیت تھے لیکن بصیرت نبوی نے اُن کے لئے وہ کام مناسب نہ سمجھے لہذا منع فرما دیا اور عہدہ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب آپ ﷺ کسی شخص کو موزوں سمجھتے تو از خود عہدہ سونپ دیتے۔

سنن ابو داؤود میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی سیرت نبوی کا یہ عمدہ چناؤ تاریخی شاہد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو لوگ عہدہ طلب کرنے آئے جب کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں موجود تھے تو پہلے نبی اکرم ﷺ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے رائے طلب کی پھر خود سے فیصلہ صادر فرمایا اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ تم جاؤ جا کر یمن کی گورنری سنبھالو۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

اِنَّا لَنْ نَسْتَعْمِلَ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَ

"جو خود عہدہ طلب کرے ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتے۔"[23]

صاحبِ تفسیر احسن البیان ایک قرآنی استدلال پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر سے وزیر خزانہ کا عہدہ سنبھالنے کا تذکرہ کیا ہے اور اس عہدہ کی ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ بر آ ہونے سے متعلق لکھتے ہیں:

"عام حالات میں اگرچہ منصب کی طلب جائز نہیں ہے لیکن حضرت یوسف کے اس اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے"۔

اسلام نااہل لوگوں کو عہدہ دینا تو درکنار ان کی گواہی تک تسلیم نہیں کرتا جس پر فقہ اور قانون کی کتب میں تفصیلی بحثیں موجود ہیں یہاں ان کا محلِ ذکر نہیں۔

سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی حکومت کی کامیابی اور رہتی دنیا تک اس کی مثال قائم رہنے میں آپ کی سیاسی بصیرت اور عمدہ چناؤ کو بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس بصیرت پر علامہ شبلیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں:

"اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہو ئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انھوں نے ملک کے تمام قبائلی آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔یہی بات ہے کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہ مل سکا تھا"۔[24]

اسلام سے قبل بھی معیار کو کافی حد تک ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس کو اوج کمال عطا کیا اسلامی معاشرہ میں عرب میں چار شخص تھے جن کو "دھاۃ العرب" (یعنی اپنے کام کے ماہر و تجربہ کار) کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن سمیہ۔ فن حرب میں عمر بن معد یکرب اور طلحہ بن خالد ممتاز تھے لیکن تدبیر وسیاست میں ان کا دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور فرمایا لیکن نعمان کو حکم بھیجا کہ ان کو کسی کی قیادت نہ دینا کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔[25]

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عامل یعنی انتظامیہ سے متعلق ایک عہدے کی خواہش ظاہر کی تھی جیسے کوئی چیف سیکرٹری بننے کی خواہش ظاہر کرے آپ نے منصب کی اہمیت کے پیش نظر ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "میں تمہیں ضعیف پاتاہوں"۔[26]

یعنی اس انکار میں اس بات کی طرف واضح اشارہ موجود ہے کہ تمہارا مجھ سے دلی تعلق ہونا یا تمہاری مجھ تک رسائی ہونا اس منصب کے پانے کے لئے کافی نہیں بلکہ اِس کی اہلیت و صلاحیت رکھنا ہی وہ بنیادی ضرورت ہے جس پر اِس خواہش یا مطالبہ کو پورا کیا جاسکتا ہے اور تم میں یہ اہلیت وصلاحیت موجود نہیں ہے اس لئے تمہیں عامل بننے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں

یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ اقربا پروری اور دوست نوازی کے بجائے اہل اور ماہر لوگوں کا چناؤ کر کے اداروں کو پاک صاف فضا مہیا کی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس واقعہ سے یہ بات سمجھنے میں بھی کافی حد تک مدد ملتی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ اہل ہی عہدہ طلب کرے اور منتخب ہو کے سامنے آئے بلکہ کبھی کبھار نااہل بھی عہدہ طلب کرتا ہے اب یہ منتخب کرنے والوں کی سمجھ بوجھ پر منحصر ہے کہ کیا وہ اسے اس عہدہ کے لئے موزوں سمجھتے ہیں یا پھر اسے رَد کر دیتے ہیں۔ آج ہمارے زمانہ میں کیونکہ اہلیت کے ان معیارات کو نہیں جانچا جاتا بلکہ جو بھی عہدہ کا طلبگار ہوا، اہل ہو یا نااہل وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں جو ہمہ جہتی نقصانات سامنے آتے ہیں شاید صدیوں ان کا تدارک ممکن نہیں ہو پاتا۔

قائد اور رہنما کی کچھ خصوصیات اور اَوصاف ہیں ان کی عدم موجودگی میں کسی کو اُمور قیادت و سیادت نہیں سنبھالنے چاہییں۔ ماہرین ادارہ نے لکھا ہے کہ قائد میں تین طرح کی خصوصیات ہوتی ہیں فطری، اکتسابی، اور تعاملی۔ اجتماعی اور فطری خصوصیات جیسے ذہانت، بہادری اور سچائی وغیرہ۔ اکتسابی خصوصیات جیسے ایمان، علم، احساس ذمہ داری اور اجتماعی خصوصیات جیسے مہربانی، درگزر کرنا اور مشاورت وغیرہ۔[27]

لیکن ہمارے خیال کے مطابق دوسری اور تیسری قسم کی صفات مشترک ہیں۔ تیسری قسم کی صفات کا تعلق دوسری قسم سے ہی ہے۔ ادارتی امور کے اکثر ماہرین کے خیال کے مطابق قیادت کی زیادہ تر خوبیاں ذاتی کوشش اور محنت سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے حدیث مذکور کے بعد یہ تبصرہ کیا ہے:

فَاِنْ عَدَلَ عَنِ الْاَحَقِّ وَ الاَصْلَحِ رَاَی غَیْرَہ لِاَجْلِ قَرَابَۃ بَیْنَھُمَا اَوْ صَدَاقَۃ اَوْ مُرَافَقَۃ فِیْ بَلَد اَوْ مَذْھَب اَوْ طَرِیْقَۃ اَوْ لِجَیْش فَقَدْ خَانَ اللہَ وَ رَسُوْلَہ وَ الْمُؤمِنِیْنَ[28]

"اگر وہ حقدار اور زیادہ مناسب شخص کو چھوڑ کر، قرابت داری، دوستی یاری، چاہے وہ شہر، مذہب یا گروہ کسی بھی بنیاد پر ہو، کسی دوسرے شخص کو عہدہ دے دیتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے خیانت کی"۔

آج بہت سے اداروں کے انحطاط اور تنزلی میں ان امور سے صرفِ نظر کا کافی حد تک عمل دخل ہے جن کا تذکرہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ نے کیا ہے کیونکہ عموماً سفارش کی بنیادیں رشتہ داری، دوستی اور مذہبی یا تنظیمی وابستگیاں ہی ہیں جن سے وقتی طور پر کسی کو نواز دیا جاتا ہے لیکن اس کی نالائقی اور نااہلی کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ہر صورت میں مناسب شخص کا چناؤ کرنا چاہیے اور اگر بہت سے لوگ اہلیت پر پورا اتر رہے ہوں تو بہتر سے بہتر کو چننا چاہیے کیونکہ بہتر تو مل سکتا ہے لیکن بحیثیت انسان کامل و اکمل نہیں مل سکتا جیسا کہ ابن قیم الجوزیہ ؒ رقم طراز ہیں:

وَالْغَالِبُ اَنَّہ لَا تُوْجَدُ الْکَامِلُ فی ذٰلِکَ فَیَجِبُ قرَی خَیْر الخَیْرَیْنِ ، وَ دَفْعِ شَرَّ الشَّرَیْنِ[29]

"اور غالب یہی ہے کہ کامل شخص نہیں پایا جاتا لہٰذا بہتر سے بہتر کی تلاش کرنی چاہیے اور نامناسب سے بچنا چاہیے"۔

کیونکہ جب باگ ڈور نااہل لوگوں کے ہاتھ آئے گی تو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ حضرت حنظل بن الحصین الازدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

سمعتُ عمرَ بنَ الخَطابِ یَقُوْلُ : قَدْ عَلِمْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ مَتَی تَہلک الْعَربُ اذَا سَاسَ امْرَھُم مَنْ لَمْ یَصْحَبْ الرَّسُوْلَ وَ لَمْ یُعالِجْ اَمْرَ الْجَاھِلِیّۃِ[30]

"کہ میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ رب کعبہ کی قسم عرب اس وقت ہلاک ہوں گے جب ان کی قیادت اس شخص کے ہاتھ آئے گی جس نے رسول اکرم ﷺ کی صحبت اختیار نہیں کی ہو گی اور نہ جاہلیت کی کمزوریوں سے چھٹکارا پایا ہو گا"۔

لہذا یہ بات واضح ہوئی کہ جب تک معیار نبوی کو اختیار نہیں کیا جائے گا اور جہالت کے اصولوں اور بے راہ روی کو ترک نہیں کیا جائے گا تب تک کامیابی کا حصول ممکن نہیں۔

امام ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانچ پڑتال کا طریقہ جاری رہتا تھا جیسے ہی کسی شخص کو اہل سمجھتے اسے کسی عہدہ پر فائز کر دیتے۔ اسی طرح کی ایک مثال امام ابن عبد البرؒ نے نقل کی ہے:

مِنْ ذَلكَ مَا رُوِي مِن أَن كَعْبَ بنَ سُور كَانَ جَالسًا عِند عُمرَ عندمَا جَاءتْهُ اِمْرَأة تَشْكُوْ زَوْجَهَا فَقَالَ لِكَعْب : اِقْضِ بَيْنَهُما ، فَلَما قَضَي بِما اعْتَقَدَه الصّوَابَ، وأَعْجَبَ عُمر بِما قَضى بِه قَالَ لَه : اِذْهبْ قَاضياً إلىَ البَصْرةِ ، وَلَم يَكُن كَعب يَعلمُ مِن قَبلُ أَنه سَيُعين قَاضِياً لِلبَصرةِ[31]

"معلوم ہوا کہ امیر المومنین خلیفہ ثانی نے حضرت کعب کو محض ان کی قوت فیصلہ اور قوت ارادی کی بنیاد پر بغیر کسی مطالبے کے گورنری کے عہدہ پر فائز کر دیا"۔

یاد رہے جب لوگ کسی کو ناپسند کر رہے ہوں اور فی الواقع وہ شخص اہل بھی نہ ہو تو اسے فوراً خود سے ہی عہدہ سے دستبردار ہو جانا چاہیے نہیں تو صاحب اختیار اسے معزول کر دے اس پر بیسیوں مثالیں موجود ہیں بالخصوص عہد فاروقی اس کا گواہ ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

وَاَكْرَهُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّتَوَلّٰى قَوْمًا وَّ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ[32]

"میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شخص کسی ایسی قوم کا لیڈر رہنے جسے وہ ناپسند کر رہی ہو"۔

دیگر ائمہ بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ کسی شخص کو ناپسندیدگی کی صورت میں لوگوں پر مسلط نہیں رہنا چاہیے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل ہے جس میں آپ ﷺ نے دنیا کے اندر انسان کے جانچے اور پرکھے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے:

وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ[33]

" اللہ رب العزت نے دنیا میں تمہیں اپنی خلافت عطا کی تاکہ یہ جانچے کہ تم کیسے کام کرتے ہو"۔

تحریری اور زبانی امتحان (انٹرویو) تقرری اور بہترین نتائج کے حصول کے لئے بہت عمدہ اصول ہے خلیفہ ثانی عمر بن خطاب نے اپنے ایک ماتحت کو مامور فرمایا اور ساتھ ہی اُسے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

اِنیِّ قَدْ عَیَّنْتُکَ لِاَبْلُوَکَ ، فَاِنْ اَحْسَنْتَ زِدْتُکَ و اِنْ اَسَأْتَ عَزَلْتُکَ[34]

"کہ میں تمہیں یہ عہدہ سونپ رہا ہوں تاکہ تمہیں پرکھ لوں اگر تم نے اپنے فرائض اچھے طریقے سے سرانجام دیئے تو میں مدت میں اضافہ کردوں گا اور اگر کوتاہی اور سستی سے کام لیا تو تمہیں معزول کر دوں گا"۔

لہذا نااہلی اور کام چوری کی صورت میں معزول کرنا بھی نبوی اور فاروقی نقطہ نگاہ سے جائز و مباح صورت ہے۔

عہدوں کی تقسیم میں تخصص کا خیال رکھنا

عہدوں کی تقسیم میں بندر بانٹ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ سفارشی نااہل اور نکمے افراد تمام شعبہ ہائے زندگی میں زوال کا سبب بنتے ہیں لہذا دوستی تعلق داری اور اقرباء پروری کی بنیاد پر ایسے بے سود افراد کو عہدے سونپنا کسی طور بھی قرین عقل و مروت نہیں اسلام ایسے افعال کو خیانت قرار دیتا ہے فرمان رسول اکرم ﷺ ہے:

مَنْ اسْتَعْمَلَ رَجُلاً مِنْ عِصَابَۃ وَ فِیْ تِلْکَ الْعِصَابَۃِ مَنْ هُوَ اَرْضَی اللہ منہ فَقَدْ خَانَ اللہ وخَانَ رَسولَہ و خَانَ الْمُؤمِنِینَ[35]

"جس کسی نے کسی جماعت میں سے کسی آدمی کو کسی کام کے لئے مقرر کیا اور اُس جماعت میں اُس سے زیادہ مناسب شخص موجود تھا تو اس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مومنین سے خیانت کی"۔

اگر امتحان انٹرویو اور مکمل جانچ پڑتال کے باوجود معیاری اور قابل افراد کا ملنا ممکن نہ ہو تو پھر جو افراد دستیاب ہوں ان کی معمولی صلاحیتوں سے ہی فائدہ اٹھالینا چاہئے اور کسی بھی آسامی کو خالی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس طریقہ پر بھی کام معطل ہو جاتے ہیں جو اداروں کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

مَنْ تَکَلَّمَ فِیْ غَیْرِ فَنِّہٖ اَتَی بِالْعَجَائِبِ

"جو شخص اپنے فن تخصص کے علاوہ گفتگو کرتا ہے اس سے عجیب و غریب فعل ہی صادر ہوتے ہیں"۔

یقیناجو شخص کام اور فن میں مہارت کے بغیر در اندازی کرتا ہے اور اندازوں سے کام کرتا ہے اس سے عجیب و غریب کام ہی سرزد نہیں ہوتے بلکہ اس کے ہاتھوں اکثر اوقات ناقابل تلافی نقصانات بھی ہوتے ہیں چاہے وہ نقصان مالی نوعیت کا ہو یا غیر حسی اور سیاسی و سماجی نوعیت کے فوائد سے محرومی کی صورت میں ہو ایسا شخص اکثر اپنے حریفوں اور حلیفوں کے طعن و تشنیع کے نشانے پر ہی ہوتا ہے جس کا مکمل طور پر وہ خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی اہم ترین مثال وہ حدیث طیبہ ہے جس میں رسالت مآب ﷺ نے تعبیر نخل کے مسئلہ میں صحابہ کرام سے فرمایا:

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ[36]

"تم اپنے دنیاوی امور کو بہت اچھی طرح جانتے ہو"۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے بلاوجہ دخل اندازی کو مناسب نہ سمجھا اور صحابہ کرام کو اس بات پر آگاہ فرمادیا کہ دنیوی امور یا اجتہادی معاملات جن کو تم بہتر گردانتے ہو اس میں میری رائے کی پابندی مت اختیار کرو۔

بلکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ معیار کو ترجیح دی اس سلسلے میں نبوی تعلیمات بھی ملاحظہ ہوں۔

اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ یُحِبُّ مِنَ العَامِلِ اِذَا عَمِلَ اَنْ یُحْسِنَ[37]

"اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب کوئی شخص کام کرے تو بہت ہی اچھے طریقے سے کرے "۔

عمدگی، پختگی اور کمال مہارت دکھانا دین اسلام کا مطالبہ ہے معیار اور کام کی نفاست کی تعلیم دیتے ہوئے نبی مکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

اِن اللہَ یُحِب مَعَالِی الأموْر و اَشْرَافِھَا و یَکْرَہُ سَفَاسِفَھَا[38]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ معیاری اور اعلیٰ کاموں کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا اور غیر معیاری کاموں کو ناپسند فرماتا ہے"۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کائنات کو بہت خوبصورت اور عمدہ طریقے سے بنایا ہے لہذا وہ کام کی رذالت اور گھٹیا پن کو کسی طور بھی قبول نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اس کا بندہ ہونے کے ناطے کاموں کی انجام دہی میں کمال صنعت اور کاریگری کا اظہار کرے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالتے ہی عوام کو جن الفاظ میں مخاطب فرمایا اور عہدہ و منصب کی حقیقت اور اس کی ذمہ داری نبھانے سے متعلق جو رہنمائی فراہم کی اس کی نظیر شاید تاریخ میں ڈھونڈے نہ ملے۔ آپ فرماتے ہیں:

ألا وإنما أنا بَشَر ولَستُ بخير مِنْ أحد مِنكم فَرَاعُوني، فإذا رَأيتموني استَقَمتُ فاتبعُوني، وإذَا رَأيتمُوني زِغْتُ فقوِّمُوْني[39]

"خبردار یاد رکھو! میں بھی ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی سے بہتر نہیں لہذا میرا لحاظ رکھنا پس جب تم مجھے سیدھے رستے پہ پاؤ تو میری اتباع کرنا اور جب دیکھو کہ میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دینا"۔

یہاں یہ واضح دلالت موجود ہے کہ اگر انسان کسی کام میں مہارت نہیں رکھتا تو جب دوسرے اس کی مدد کریں اور اسے راہ راست پر لائیں تو اسے صدق دل سے قبول کرنا چاہیے اور رہنما کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

یقیناہر عہدہ کا تخصص رکھا جائے گا کمپیوٹر کا ماہر اگر دینی علوم میں مہارت نہیں رکھتا تو اسے امامت وخطابت نہیں سونپی جاسکتی اور اگر عالم دین کمپیوٹر کے علم میں مہارت تامہ نہیں رکھتا تو اسے ڈیٹا انٹری آپریٹر بھرتی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح تمام عہدوں میں تخصص کی پاسداری انتہائی ضروری عمل ہے۔

عہدوں کی تقسیم میں ایک اور اہم بات کی طرف امام ابن تیمیہ نے توجہ دلائی ہے کہ اگر دونوں مختلف خوبیاں بیک وقت جمع نہ ہوں قوت وامانت توکام کی مناسبت سے تعین کرلیا جائے گا اس کی بہت عمدہ مثال ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام رقم طراز ہیں امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بہادر اور فاسق ہے جبکہ دوسرا کمزور اور نیک ہے تو جنگ میں کس کو قیادت سونپی جائے گی تو آپ نے فرمایا جہاں تک فاسق کے فسق کا تعلق ہے تو وہ اس کی اپنی ذات کے ساتھ ہے اور اس کی بہادری سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا جبکہ نیک آدمی کی نیکی کا فائدہ اس کی ذات تک محدود ہے اور اس کی کمزوری کا نقصان تمام مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا لہذا بہادر اور گنہگار کو ہی سپہ سالار بنایا جائے۔[40]

اسلام کا نظریہ ذمہ داری

اسلامی نقطہ نظر سے ہر انسان کو یہ بتلایا گیا ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ، كِرَامًا كَاتِبِينَ، يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ [41]

"اور بے شک تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ اُسے جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"۔

اس طریقہ پر ہر انسان کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے ارشاد نبوی ہے:

ألا كلُّكم راعٍ ، و كلُّكم مسؤولٌ عن رعيَّتِه ؛ فالأميرُ الذي على الناس راعٍ ، و هُو مسؤولٌ عَن رعيتِه[42]

"تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور ہر کسی سے اُس کی ذمہ داری کی باز پرس ہو گی"۔

لہذا کسی بھی عہدہ پر فائز شخص کو نبوی تعلیمات کے مطابق اتنی تنبیہ کافی ہے کہ وہ خود کو ذمہ دار سمجھے چاہے اس پر کوئی افسر یا نگران مسلط ہو یا نہ ہو کسی احتساب کا خوف نہ ہو سوائے روز محشر کے محاسبہ اور میزان اعمال کے اور یہی شعور و ایمان ہے جو بندہ مومن کو اپنے فرائض ایمانداری، جان سوزی اور تندہی سے نباہنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے افسر کی وجہ سے کام کرتا ہے تو وہ دائمی اور نتیجہ خیز نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ نگران افسر موجود نہیں ہوگا تو وہ بے خوف وخطر کام چوری کا مظاہرہ کرے گا جو اداروں کی تباہی کا سبب ہے جبکہ نبوی نظریہ ذمہ داری کا تعلق تقوی اور خوف خدا سے ہے جو انسان کے اندر چھپے ضمیر کو جھنجوڑ کر غیرت ایمانی کے تقاضوں کے مطابق احساس ذمہ داری دلاتا ہے اور فرائض میں غفلت اور کوتاہی سے محفوظ بناتا ہے۔

بہترین امیر وہ ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو امین بھی قوی سے مراد اس کام کی قوت و صلاحیت والا ہونا جو کام اُس کے سپرد کیا جارہا ہے اور امین سے مراد یہ ہے کہ اس کی سابقہ زندگی کے حالات اس کی امانت و دیانت پر شاہد ہوں ۔ آج کل مختلف ملازمتوں اور سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کے لئے انتخاب کا جو اصول رکھا جاتا ہے اور درخواست گزار میں جن اوصاف کو دیکھا جاتا ہے اگر غور کریں تو سب کے سب ان دو لفظوں میں جمع ہیں بلکہ ان کی تفصیلی شرائط میں بھی یہ جامعیت عموماً نہیں ہوتی کیونکہ امانت و دیانت تو کہیں زیر غور ہی نہیں آتی صرف علمی قابلیت کی ڈگریاں معیار ہوتی ہیں اور آج کل جہاں کہیں سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے نظام میں ابتری پائی جاتی ہے وہ بیشتر اسی اصول دیانت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

قابل اور عاقل آدمی جب امانت و دیانت سے کورا ہوتا ہے تو وہ کام چوری اور رشوت خوری کے بھی ایسے ایسے راستے نکال لیتا ہے کہ کسی قانون کی گرفت میں نہ آسکے اسی نے آج دنیا کے بیشتر سرکاری و غیر سرکاری اداروں کو بے کار بلکہ مضر بنا رکھا ہے نبوی نظام میں اسی لئے اسکو بڑی اہمیت دی گئی ہے جس کی برکات دنیا نے صدیوں تک دیکھی ہیں۔ مسلمان کے اخلاق کی عمدگی اور ایمان کی حقیقت کو امانت کے ساتھ جوڑ دیا اور خیانت اور بدیانتی کو عدم ایمان قرار دیا۔ اللہ رب العزت نے کاموں میں امانت داری کو کامیابی کا راز قرار دیا فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾[43]

"اور (کامیاب ہو گئے) وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا بہت خیال رکھتے ہیں"۔

اور نبی کریم ﷺ نے کرپٹ اور خائن آدمی کے ایمان کو مشکوک قرار دیا ارشاد نبوی ہے:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَه

"جس شخص میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں"۔[44]

یقیناً یہاں مکمل ایمان کی نفی نہیں کی جا رہی بلکہ صرف اسی بے ایمانی کی بات ہو رہی ہے جو اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور خیانت کے انداز میں کی۔ کوئی بھی شخص جب اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتا تو وہ ایمان کی تکمیل کے درجے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کسی شخص کے کام کی نوعیت کوئی بھی ہو، چاہے وہ دفتر میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہو یا ایک عام مزدور کی حیثیت سے کام کرتا ہو ہر حال میں ایمان و امانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تبھی ایک کامیاب زندگی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اعلیٰ مقام و مرتبہ پا سکتا ہے۔ امارت تمام اجتماعی کاموں میں اصل ہے جیسا کہ حدیث طیبہ میں مذکور ہے

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُهُمْ اَحَدُهُمْ[45]

لہذا کسی فرد واحد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تمام عہدوں پر قابض ہو کر بیٹھ جائے گویا کہ وہ ہی تمام اختیارات کا مالک کل ہے اس بے جا قبضہ و تسلط کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ تمام اُمور کے اہل افراد محروم رہتے ہیں اور نا اہل اپنی ناسمجھی اور کم علمی و کمزوری کی بنیاد پر کاموں میں تاخیر اور خرابی کا سبب بنتے ہیں۔

امام ماوردیؒ نے ایک اور اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے وہ لکھتے ہیں:

"ضرورت کے مطابق افراد معاونین بھرتی کرو اور افراد کے جھمگٹے سے بچو کیونکہ اس طرح کاموں کی انجام دہی میں خلل واقع ہوتا ہے"۔[46]

کیونکہ کام کی طلب کے مطابق اگر افراد ہوں گے تو یہ مناسب اور خلوص سے کام سر انجام دینے کا بہترین ذریعہ ہے بصورت دیگر محض خلل اور خرابی کا سبب بنتے ہیں۔

منصب کی سختی اور خرابی

دنیوی اعتبار سے عہدہ و منصب دماغی پریشانی اور بے چینی کا باعث ہے اس کے ساتھ ساتھ اخروی اعتبار سے بھی حسرت وندامت کا سبب بنے گا رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اِنّکُم سَتَحْرِصُونَ علىٰ الاِمَارَة وَ سَتكُونُ نَدامَۃ يَوْم القيامَۃِ[47]

"کہ تم امارت کے لالچ میں رہتے ہو جب کہ یہی امارت (امانت کی عدم ادائیگی کے سبب) کو بروز قیامت شرمندگی وندامت کا باعث بنے گی"۔

کیوں کہ عہدہ اور منصب امانت ہیں اور ان کے بارے ضرور باز پرس ہو گی۔ اللہ تعالی نے متعدد مقامات پر عہدہ و نعمت عطا فرمانے کے بعد اس کی قدر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور یہ باور کرایا کہ یہ جو کچھ میں نے تمہیں دے رکھا ہے محض آزمائش اور امتحان کے لئے ہے تا کہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ تم میں سے کون اپنے فرائض کو بطریق احسن سرانجام دیتا ہے۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی نے انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ میں رہنمائی کی ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں انسان جس مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہے اگر دقتِ نظر اور کوشش سے کام لے تو یقینا تمام مسائل کا حل ممکن ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنے نظام حکومت میں اہلیت اور معیار کو اولین ترجیح دی جو اسلام کی کامیابی اور چار دانگ عالم میں چھا جانے کا سبب اور راز ہے اسلامی نظریاتی کونسل اور سیرت طیبہ کے حوالے سے خدمات سر انجام دینے والے اداروں کی ذمہ داری ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے اہم اور پیچیدہ مسائل پر سکالرز سے تحقیقی کام کی خدمات حاصل کریں اور ملک و قوم کو دشواریوں سے نجات دلائیں اور سیرت طیبہ کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کریں۔ اور ان کاموں میں اجارہ داری، رشتہ داری اور تعلقات کی بجائے کام اور تحقیق کی اہمیت کے پیش نظر مضامین کو شامل اشاعت کریں۔ یونیورسٹیز اور جامعات میں تحقیق کی ڈگری حاصل کرنے والے طلباء کو چاہیے کہ وہ بھی ایسے عملی

اور معاشرتی مسائل پر مبنی مقالات تحریر کرکے شریعت اسلامیہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں صداقت اسلام اور اسکے زریں اصولوں سے آگاہ کریں جس میں معاشرہ کی فلاح پنہاں ہے۔

مصادر و مراجع

[1] سورۃ الانعام/165۔

[2] ابو داؤد، امام محمد بن سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داود، کتاب الجہاد، باب فی القوم یسافرون یومرون احدھم، حدیث نمبر: 2285۔

[3] البخاری، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الامانۃ، حدیث نمبر:6496۔

[4] ابن حجر، ابو الفضل، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، 11/334 دار المعرفۃ، بیروت 1379ھ۔

[5] فتح الباری شرح صحیح البخاری، 11/334۔

[6] الماوردی، ابو الحسن علی محمد بن محمد، نصیحۃ الملوک، مکتبہ الفلاح الکویت، ط1983ء، ص185۔

[7] الحاکم، الامام محمد بن عبد اللہ النیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، 4/104، حدیث نمبر:13408۔

[8] ابن تیمیہ، شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ، السیاسۃ الشرعیۃ، وزارۃ الشئوون والاوقاف والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ص:7۔

[9] مستدرک علی الصحیحین، 4/554۔

[10] صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:6729۔

[11] سنن ابی داؤد، حدیث نمبر:3592۔

[12] نصیحۃ الملوک، ص176۔

[13] نصیحۃ الملوک، ص185۔

[14] مقامات سیرت، نبوت کا راز از ابو الحسن علی،، سیرت کانفرنس کمیٹی 98، ریلوے روڈ لاہور، ص25۔

[15] ندوی، ابو الحسن، علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ص157۔

[16] سورۃ القلم/4۔

[17] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم منہاج السنۃ، دار الحدیث قاہرہ، 7/512۔ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے جب کہ امام زرقانی نے "حسن لغیرہ" کہا ہے دیکھیے: مختصر المقاصد، ص128۔

[18] محمد بن الحسن العربی الفاسی، الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1/244۔

[19] مودودی، ابو الاعلی، اسلامک ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور،، اولی الامر کے اوصاف، ص645۔

[20] مفتی ثناء اللہ محمود، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تربیت، دار الاشاعت کراچی، ص228۔

[21] جابیہ ملک شام کے علاقہ میں واقع ہے جہاں سیدنا عمر نے جنگ یرموک کے بعد ایک تاریخی کانفرنس بلائی اور خطبہ دیا۔ دیکھیے! تاریخ دمشق، ابن عساکر 2/167۔

22 الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، النکت والعیون، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 5/505۔

23 سنن ابو داؤد حدیث نمبر:4354، صلاح الدین یوسف، احسن البیان ص589، سورۃ یوسف۔

24 شبلی، الفاروق، ص191۔

25 ابن تیمیہ، السیاسۃ النبویۃ، ص8۔

26 ایس ایم ظفر، کتاب عوام پارلیمنٹ، الفیصل ناشران وتاجران، لاہور، ص102۔

27 العدلونی، د/ محمد اکرم العدلونی، القائد الفعال،، قرطبہ للانتاج الفنی ریاض سعودی عرب، 1/21۔

28 السیاسۃ الشرعیۃ، ص8۔

29 امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ابی بکر ابن اقیم الجوزیہ، الطرق الحکمیۃ، مجمع الفقہ الاسلامی، جدہ۔ 2/626۔

30 التراتیب الاداریۃ، 1/23۔

31 ابن عبد البر، أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد، الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب، دار الجیل، بیروت، 3/1319۔

32 الشافعی، الامام محمد بن ادریس، الام، دار الوفاء، مصر، 1/187۔

33 صحیح مسلم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر:2742۔

34 ابو سن، ڈاکٹر احمد ابراہیم، الادارۃ فی الاسلام، دار الثقافۃ للطباعۃ والنشر، ریاض، ص43۔

35 حوالہ سابقہ۔

36 صحیح مسلم، حدیث نمبر:2363۔

37 ہیثمی، نورالدین علی بن ابو بکر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج4، ص101۔

38 مجمع الزوائد، ج8، ص191۔ یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے کیونکہ اس کی سند میں کلیب الجہنی ہے جو ثقہ راوی نہیں ہے۔

39 ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، دار الکتاب العربی، لبنان، ط2012، ص101۔

40 السیاسۃ الشرعیہ، ص16۔

41 سورۃ الانفطار/10–12۔

42 البخاری، الامام محمد بن اسماعیل، صحیح الادب المفرد، تخریج الالبانی، ناصر الدین، دار الصدیق للنشر، التوزیع، بیروت،، حدیث نمبر: 6188۔

43 سورۃ المومنون/8۔

44 احمد، الامام احمد بن حنبل، المسند، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، حدیث نمبر:12406۔

45 حوالہ سابقہ۔

46 نصیحۃ الملوک، ص194۔

47 صحیح البخاری، کتاب الاحکام، حدیث نمبر:6729۔